شوکت صدیقی کے افسانوں میں ترقی پسندیت و سیاسی پہلو

ڈاکٹر تحسین بی بی

ABSTRACT:

ShaukatSiddique has emerged as one of the prominent prose writer since Pakistan came in to being. He started his writing carrier after the independence of Indian Subcontinent in which he highlighted the new urban problems of Pakistan. He is not only famous for his Novels but also gained a lot of praise in Fiction story writing. In his fiction stories he wrote about many problems including prejudice, exploitation, political suffocation, imperialism and feudalism. In his realistic writings, he brought forward the political and social evils. In his fiction writings, he has collection of attractive stories based on victims' exploitation,and public problems. Therefore, he is placed along with the ideological authors of Progressive Writers Association.

قیام پاکستان کے بعد نمایاں ہونے والے افسانہ نگاروں میں شوکت صدیقی کا نام اکثر سب سے پہلے لیا جاتا رہا ہے۔ آزادی کے بعد جن ترقی پسند ادیبوں نے شہرت حاصل کی ان میں شوکت صدیقی بھی پیش پیش ادیب ہیں۔ جنھوں نے ترقی پسند تحریک کے تسلسل کو جاری رکھنے کی کوشش کی۔ شوکت صدیقی نے اپنے ادبی سفر کا آغاز تقسیمِ ہند کے بعد پاکستان میں نئے شہری مسائل کے اظہار سے کیا، اور زندگی کے سیاسی و سماجی شعور کو ادب کی فنی اور فکری اقدار سے جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ شوکت صدیقی نے اپنے افسانوں میں ظلم، استحصال اور عدم مساوات جیسی برائیوں کے ساتھ ساتھ سیاسی گھٹن، سامراجی نظام اور جاگیردرانہ نظام پر قلم اٹھایا ہے۔ اس کے ساتھ ہی شہری و دیہاتی زندگی کے مسائل کا تجزیہ بھی نہایت خوبصورتی سے اپنے افسانوں میں کیا ہے۔

ترقی پسند تحریک سے وابستگی نے شوکت صدیقی کو موضوعات کا ایک وسیع میدان عطا کیا ہے۔ انھوں نے

سیاسی و سماجی حقیقت نگاری کے راستے کا انتخاب کر کے سیاسی و سماجی برائیوں کو بے نقاب کیا۔شوکت صدیقی نے اپنے افسانوں میں نچلے متوسط طبقے کے مسائل اور عام انحطاطی کیفیت کے ساتھ ساتھ گردوپیش کی زندگی کی ترجمانی کی ہے۔شوکت صدیقی کے افسانے خیال اور حقیقت سے دور نہیں ہیں۔ان کے افسانوں میں حالات کی نامطلوب قباحتوں کے ساتھ انسانی بینش و بضاعت کی روشن فکری بھی دکھائی دیتی ہے۔ بقول ڈاکٹر حنیف فوق:

وہ (شوکت صدیقی) ایک کج رو معاشرہ میں انسانی اعمال کی مختلف کج رویوں کو آئینہ دکھاتے ہیں۔(۱)

شوکت صدیقی نے اپنے افسانوں میں مظلوم کے استحصال اور عوامی مسائل پر دلکش افسانے تحریر کر کے ترقی پسند تحریک کے نظریاتی مصنفین میں جگہ بنائی۔ ان کی حقیقت شناس نظر اور دردمند دل انھیں سیاسی و سماجی حقیقت نگاری کی طرف مائل کرتا ہے۔ جو ترقی پسند تحریک کا لائحہ عمل تھا۔اس حوالے سے ڈاکٹر ممتاز احمد خان لکھتے ہیں:

شوکت صدیقی ترقی پسندوں کی بھیڑ میں ایک ایسے حقیقت نگار کی حیثیت سے برآمد ہوئے جنھوں نے اپنے مخصوص نظریات کو فنی دائروں میں رکھ کر پیش کیا۔ جمالیاتی حسن کی آبیاری بھی کی اور پڑھنے والوں کو متاثر بھی کیا۔(۲)

شوکت صدیقی کے افسانوں میں جدلیاتی مادیت، زندگی کے تلخ حقائق، جذامی احساسات، معاشرتی رابطوں اور طبقہ دار سماج کے طرزِ عمل کی چکی کے پاٹوں میں پسنے والے انسانوں کی تصویریں اس طرح سے ابھر کر سامنے آتی ہیں کہ جیسے فلم کے پردے پر حقیقی مناظر لہراتے چلے جائیں۔ڈاکٹر انوار احمد کے لفظوں میں:

انھوں نے ہمیشہ غربت، استحصال، جہالت اور محلاتی سازش کے خلاف قلم اٹھایا، مگر کرشن چندر کی طرح وہ میٹھے خواب دیکھتا اور دکھاتا نہیں بل کہ اس کا تلخ رویہ بسا اوقات کلبیت کے مترادف ہو جاتا ہے۔ وہ ہماری اجتماعی زندگی کا بے رحم مفسر، مبصر اور ناقد ہے۔(۳)

قیام پاکستان کے بعد حالات کی غیر یقینی صورت حال، سیاسی افراتفری، تذبذب، مستقبل میں پھیلے ہوئے لاعلمی کے تاریک ومہیب سناٹے اور جمی جمائی تہذیب کے الٹ پلٹ ہونے کی وجہ سے جو حالات و واقعات سامنے آئے ان سب کی نمائندگی شوکت صدیقی نے کی ہے۔ ان کے افسانوں میں مستقبل سے مایوسی کی جگہ اُمید اور جدوجہد کا جذبہ نظر آتا ہے۔شوکت صدیقی کے ہاں ہندوستان کی تقسیم کے بعد سماجی اور سیاسی زندگی میں جو اتار چڑھاؤ آیا اور جس طریقے سے وہ داخلی و خارجی زندگی پر اثر انداز ہوا۔ یہ المیہ انسانوں سے خلوص و محبت کے جذبہ کو بیدار کر کے نئی راہوں کا متلاشی ہے۔

شوکت صدیقی کے افسانوں میں قیام پاکستان کے بعد برپا ہونے والے فسادات اور ان کے اثرات، خارجی ماحول کی عکاسی اور سیاسی و سماجی، اقتصادی مسائل کی تصویر کشی واضح نظر آتی ہے۔ وہ اپنے دور کے افسانہ نگاروں میں ایک منجھے اور سلجھے ہوئے ذہن کے ادیب ہیں یہی وجہ ہے کہ شوکت صدیقی کہیں بھی نعرے بازی اور سستی جذباتیت کا شکار نہیں ہوئے۔ بقول اے خیام:

شوکت صدیقی نے اپنی کٹر نظریاتی وابستگی کے باوجود نعرہ بازی نہیں کی، اکثر افسانوں میں ایک پُراسرار فضا

بنا کر دلچسپی کے عناصر بڑھا دیتے ہیں۔ (۴)

شوکت صدیقی ۱۹۵۰ء میں پاکستان آئے تو یہاں ان کو بے شمار مسائل کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ نہ تو ان کے پاس رہنے کے لیے کوئی مناسب جگہ تھی تو نہ ہی روزگار کا کوئی وسیلہ اس لیے ان پر غیر یقینی حالات کی وجہ سے امید وبیم کی کیفیت طاری رہی۔ ایسے حالات میں شوکت صدیقی کو زیادہ وقت کراچی کے جرائم پیشہ افراد کے ساتھ گزارنے اور ان کا بغور مشاہدہ کرنے کا موقع ملا۔ جو بعد میں ان کے افسانوں اور ناولوں کا بنیادی موضوع اور مواد فراہم کرنے کا اہم سبب و ذریعہ ثابت ہوئے۔

شوکت صدیقی کے پہلے افسانوی مجموعہ ''تیسرا آدمی'' (۱۹۵۲ء) میں شامل افسانوں میں شوکت صدیقی نے تقسیم ہند کے بعد برپا ہونے والے فسادات کا المیہ، ہجرت، اور نقل مکانی کرنے والے مفلوک الحال، ٹوٹے پھوٹے شکستہ دل بے آسرا اور ظلم وستم کا شکار ہونے والے لوگوں کی داستان بیان کی ہے جو ہجرت کی صعوبتیں برداشت کر کے اپنے آپ کو ویسے ہی درندہ صفت، وحشی اور سفاک رویوں کے سامنے پاتے ہیں جن سے وہ بھاگ کر یہاں آئے تھے۔ ان افسانوں میں شوکت صدیقی نے محروم طبقات کے ناآسودہ معاشرے میں 'مافیا' اور جرائم پیشہ لوگوں کی سرگرمیوں کی عکاسی کرنے کے علاوہ پاکستانی معاشرے میں سر اٹھاتی خود غرضی، لوٹ کھسوٹ، خوف اور دہشت کی فضا سے بھی آگاہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ شوکت نے سرکاری کارندوں کی نااہلیوں اور لوٹ کھسوٹ، دولت کی غیر منصفانہ تقسیم اور عوامی مسائل سے لاتعلق سیاسی راہنماؤں اور سامراجی قوتوں کے ہتھکنڈوں کو بھی اپنے افسانوں میں تنقید کا ہدف بنایا ہے۔ اس حوالے سے ان کے اہم افسانے ''یہ بیمار''، ''تانیتا''، ''غمِ دل اگر نہ ہوتا''، ''الاؤ کے پاس''، ''پتھر میں آگ''، ''جھیلوں کی سرزمین پر'' اور ''تیسرا آدمی'' وغیرہ ہیں۔

افسانہ ''یہ بیمار'' شوکت صدیقی کے سیاسی شعور کا بہت اعلیٰ ترجمان ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد معاشرے میں بنیاد چڑھنے والی سرگرمیوں اور تباہ حال لوگوں کے مسائل کو یہاں بیان کیا ہے۔ افسانے کے شروع میں شوکت صدیقی نے کشمیر کی جنگ کا حوالہ بیان کیا ہے: ''کشمیر کے محاذ پر لڑائی بند ہوگئی۔'' (۵)

اس کے ساتھ ہی شوکت صدیقی نے نااہل سیاسی رہ نماؤں کی نااہلی و چال بازی پر یوں تنقید کی ہے:

وہ امریکی حکومت کا آلۂ کار ہے اسے اس ملک کی تباہ حال انسانوں سے کوئی ہمدردی نہیں وہ صرف امریکی سامراج کا زرخیز کارندہ ہے۔ (۶)

افسانہ ''تانیتا'' میں شوکت صدیقی نے تقسیم ہند کے بعد ابھرنے والے فسادات اور بلوائیوں کے قتل و غارت کے واقعات کو بیان کیا ہے۔ کہ بلوائی کس طرح سے ہاتھوں میں خنجر، بلم اور لاٹھیاں اٹھائے ہر طرف قتل و غارت کا بازار گرم کرنے کے ساتھ ہی مکانوں کو بھی جلا رہے تھے۔ اس صورت حال میں ہر طرف افراتفری مچی ہوئی تھی جس کی تصویر کشی وہ کچھ یوں کرتے ہیں:

مکان جل رہے تھے۔ شعلے لہرا رہے تھے۔ دھوئیں کے بادل بلندیوں پر پھیلے جا رہے تھے۔ جلتے ہوئے مکانوں سے انسانی چیخیں ابھر رہی تھیں۔ (۷)

بلوائیوں نے ڈاکٹر کی کوٹھی کو بھی آگ لگائی تو اندر سے نمو کی چیخیں بلند ہوئیں اور تانیتا اپنی جان پر کھیل کر نمو کو آگ کے شعلوں سے بچا نکالتا ہے۔ یہاں شوکت نے 'تانیتا' سابقہ فوجی کی بے بسی، غربت اور محرومیت کی نشاندہی بھی بڑی خوبصورتی سے کی گئی ہے: ''پرانی چیزوں کی کون قدر کرتا ہے، جنگ ختم ہوگئی اور میرا حال تم نے دیکھ ہی لیا۔''(۸)

تانیتا فسادات کی رات ایک مسلح فوجی کے نشانے کی زد میں آکر جان کی بازی ہار گیا اور مرتے ہوئے کئی سوالات چھوڑ گیا:

یہ کرفیو آرڈر کی رات تھی، فسادات کی رات تھی، تانیتا کی زندگی کی آخری رات تھی، تانیتا مرگیا، لیکن اس کی پھٹی آنکھوں میں ابھی تک بھوک زندہ تھی۔(۹)

افسانہ ''غم دل اگر نہ ہوتا'' میں شوکت صدیقی نے مزدوروں، کسانوں اور محنت کشوں میں ابھرتے ہوئے سیاسی شعور اور انقلابیت کی عکاسی کی ہے یعنی: ''چین میں سرخ فوجوں کی فتح، جنت کی فتح ہے۔ ساری دنیا کے محنت کشوں کی فتح ہے۔''(۱۰)

افسانے میں اہم کردار کا مریڈ رندھیر کمیونسٹ پارٹی کا ایک اہم کارکن ہے۔ جو کمیونسٹ پارٹی کا حامی ہے اس کے نزدیک کمیونسٹ پارٹی: ''مزدوروں اور کسانوں کی جماعت ہے۔'' (۱۱)

رندھیر کی دی ہوئی کتابیں کمودنی پڑھ کر اپنے اندر ایک بڑی تبدیلی محسوس کرتی ہے اور رندھیر سے کہتی ہے:

سوچتی ہوں کہ ہمارا سوشل سٹ اپ ہی غلط ہے۔ اس سماج کو بدل جانا چاہیے۔ جس میں لوگ مہنگائی سے بھوکے مرتے ہوں۔ مزدوروں کا کڑی محنت کر کے بھی گزارہ نہیں ہوتا۔ جہاں عہدوں کے لالچ میں محبتوں کو ٹھکرا دیا جائے۔(۱۲)

شوکت صدیقی نے جاگیردرانہ اور سرمایہ درانہ نظام پر بھی کڑی تنقید کی ہے۔ کہ جاگیردار اور سرمایہ دار اپنی جاگیر پر بسنے والے کسانوں اور محنت کشوں کی محنت پر عیش کرتے ہیں۔ شوکت صدیقی نے یہاں کلکتہ میں ہونے والے کسان عورتوں کے جلوس پر فائرنگ کے نتیجے میں کمیونسٹ پارٹی کے احتجاجی جلوس میں اس پر ہونے والی فائرنگ و لاٹھی چارج کی تفصیلات کو بیان کیا ہے۔ تو ساتھ ہی ٹیکسٹائل مل کی ہڑتال پر مزدوروں پر فائرنگ اور سرمایہ داروں کی حیوانیت کا شکار بننے والے کمیونسٹ پارٹی کے اہم کارکن 'مرلی' کی ارتھی کے جلوس پر مزدوروں کے نعرے اور جوش و جذبہ بیان کیا ہے:

پولیس کا ظلم، بھولومت، بھولومت
کا مریڈ مرلی کا خون، سب کا خون
انقلاب زندہ باد، انقلاب زندہ باد (۱۳)

مزدوروں کے ابھرتے ہوئے سیاسی شعور اور جوش و جذبے کو دیکھ کر ظلم کرنے والوں کے چہروں پر بدحواسی چھا گئی اور یہ طبقہ انقلاب لانے کے لیے سینہ سپر ہوکر اٹھ کھڑا ہوا اور مرلی مر کر ہمیشہ امر ہو جاتا ہے:

اس ظلم کو کچلنے کے لیے، انقلاب لانے کے لیے، ایک نہیں کتنے ہی خاندان تباہ ہوجائیں۔ انھیں تباہ ہوجانے دو۔ وہ موت، وہ تباہی جو کروڑوں خاندانوں کی بہتری کے لیے ہو جوظلم کو کچلنے کے لیے ہو، جو انقلاب کے لیے ہو، ایسی قوتیں ایسی تباہیاں مقدس ہیں۔ قابل پرستش ہیں کا مریڈ مرلی تم کبھی نہیں مرسکتے۔ تم ہمیشہ زندہ رہو گے، تم امر ہو۔ (۱۴)

یہ پورا افسانہ شروع سے لے کر آخر تک سیاسی معنویت اور ترقی پسندانہ نظریے سے لبریز ہے اور شوکت صدیقی نے نچلے طبقے جن میں کسان، مزدور اور محنت کش شامل ہیں اور اس طبقے میں بیدار ہونے والے سیاسی شعور کو اپنا موضوع بنا کر ایک مختلف صورت حال کو پیش کیا ہے۔ یہ صورت حال اتنی مختلف اور پر پیچ ہے کہ اس میں انقلابیت اور رد انقلابیت کے کئی روپ سمٹ آئے ہیں۔ افسانہ ''الاؤ کے پاس'' میں شوکت صدیقی نے بھوک و افلاس اور غربت سے نجات حاصل کرنے کی خاطر جنگ کرنے والے نوجوانوں کی ہمت و دلیری کو موضوع بنایا ہے:

گولیاں وادی میں گونج رہی ہیں اور ان کے ساتھ انسانی چیخیں ابھر رہی ہیں۔ اس کے ساتھی بھی چٹانوں کی اوٹ سے گولیاں چلا رہے ہیں اور زخمی ہو کر کراہ رہے ہیں، اس لیے کہ وہ بھوک سے مرنا نہیں چاہتے۔ (۱۵)

شوکت صدیقی نے اپنے افسانوں ''جھیلوں کی سرزمین پر'' اور ''مہکتی وادیوں'' میں کسانوں اور مزدوروں کے ہاں تحریک پانے والے سماجی و سیاسی شعور اور باغیانہ جذبات کی ترجمانی کی ہے۔ یہاں شوکت صدیقی نے محنت و جدوجہد کے استحصال کو خوبصورتی سے بیان کیا ہے:

دفتر کا یہی قانون ہے یہی قاعدہ ہے، کسان گڑگڑاتے ہیں، خوشامد کرتے ہیں، مگر تول بابو کچھ بھی نہیں سنتا، کسی کی بات نہیں مانتا، وہ چپ چاپ کاغذوں کو سنبھال کر اندر دفتر میں چلا جاتا ہے۔ (۱۶)

افسانہ ''تیسرا آدمی'' شوکت صدیقی کا نمائندہ افسانوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ افسانہ ترقی پسندانہ نظریات کا حامل ہے جس میں ایک سیاسی و سماجی مقصد کے ساتھ ہی معاشرتی خامیوں کی نشاندہی ملتی ہے۔ افسانے کے تمام کردار (انٹی کرپشن، وانچو، نیل کنٹھ) اپنے اپنے دائرۂ عمل میں معاشرے کی مختلف برائیوں کو اجاگر کرتے ہیں۔

دوسری جنگِ عظیم کے اختتام پر اشیائے ضرورت کی قلت پیدا ہوئی۔ ان اشیاء میں سیمنٹ اور سریا بھی شامل تھا۔ شوگر فیکٹری کی تعمیر کے لیے سیمنٹ اور سریے کی ضرورت پڑنے پر حکومت پرمٹ جاری کر کے کوٹہ مقرر کرتی تھی۔ لیکن وانچو نے ڈائریکٹر آف انڈسٹریز اور اس کے عملے کو رشوت دے کر فیکٹری کی تعمیر کی آڑ میں ضرورت سے زیادہ بڑا کوٹہ کمپنی کے نام الاٹ کرالیا۔ اس طرح یہ فاضل سیمنٹ اور سریا راتوں رات اسمگل ہو کر بلیک مارکیٹ جاتا ہے۔ اور اس ناجائز کاروبار میں پولیس کے علاوہ کئی دوسرے سرکاری محکمے بھی شریک کار ہوتے ہیں۔ وانچو کو جب پولیس انسپکٹر پکڑ کر تھانے چلنے کی ہدایت کرتا ہے تو وہ اسے کہتا ہے کہ:

جو لوگ سیمنٹ اور سریے کا سرپلس کوٹا حاصل کرسکتے ہیں اور جو اسے اسمگل بھی کرسکتے ہیں۔ وہ اپنے بچاؤ کے طریقے بھی جانتے ہی ہوں گے۔ (۱۷)

اسی طرح سے:

وہ جانتا تھا کہ ہر کامیاب جرم کی سازش پہلے پولیس اسٹیشن کے اندر ہوتی ہے۔(۱۸)

یہاں یہ بات سامنے آتی ہے کہ اہل ثروت اپنے مفادات کی خاطر دوسروں کو بہت بے رحمی سے بھینٹ چڑھا دیتے ہیں اور کوئی قانون ان کے جرم کا محاسبہ نہیں کرتا۔'وانچو' کوکیلا ندی پر بنے ڈیم اور پاور ہاؤس کو اپنے ساتھی 'نیل کنٹھ' کے ذریعے ڈائنا مائٹ فٹ کروا کے تباہ کرتا ہے۔ ڈائنا مائٹ ایک خوفناک دھماکے سے پھٹا تو اس سے نہ صرف ڈیم تباہ ہوگیا بل کہ پاور ہاؤس کی عمارت بھی ڈوب گئی اور اس کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا تو کوکیلا ڈیم کی تباہی پر حکومت کی طرف سے مفاد پرستوں کی اس تخریب کاری کے بارے میں پریس نوٹس جاری ہوتا ہے کہ:

اس تباہی میں کمیونسٹوں کی دہشت پسندی کو دخل ہے، جو اپنے سیاسی مفاد کے لیے ملک میں بے اطمینانی اور ہیجان پیدا کرنا چاہتے ہیں۔(۱۹)

یہ افسانہ اس تلخ، سنگین اور جانگداز حقیقت کی عکاسی کرتا ہے کہ سرمائے اور محنت کی کش مکش میں سرمایہ دار کیسے مجرمانہ سفاکیت پر اتر آتا ہے اور مزدوروں کی احتیاج کس طریقے سے سرمائے کے بھینٹ چڑھتی ہے۔ بیوروکریٹ، سمگلر، صنعت کار اور اسلام، و دیگر حوالوں کو فروخت کر کے ترقی کرنے والے نو دولتیا طبقے وغیرہ پر شوکت صدیقی نے گہرے طنز کے وار کیے ہیں اور انہی میں قانون کے محافظ اور قانون بنانے والے سب برابر کے شریکِ کار ہیں۔

شوکت صدیقی نے افسانوی مجموعہ ''اندھیرا اور اندھیرا'' (۱۹۵۵ء) میں مشمولہ افسانوں ''تاریک دن''، ''مردہ گھر''، ''پاگل خانہ'' اور ''اندھیرا اور اندھیرا'' وغیرہ میں سیاسی شعور کے ساتھ ساتھ جنگ کے واقعات و اثرات، عورت کے استحصال، اور تقسیمِ ہند کے بعد مہاجرین کے مسائل اور نئی مملکت میں مہاجرین بستیوں میں مقیم مہاجرین کو درپیش مشکلات، بے روزگاری، غربت، مکاری و دھوکہ بازی اور خودغرضی وغیرہ کو موضوع بنایا ہے۔

افسانہ ''تاریک دن'' میں شوکت صدیقی نے عورت کے استحصال پر قلم اٹھانے کے ساتھ ہی جنگ کی ہنگامی صورت حال کی عکاسی خوب صورتی سے کی ہے:

جنگ کی ہنگامی سپلائی کے باعث ٹیزری میں دن رات کام ہوتا تھا۔ دو شفٹوں کے علاوہ مزدوروں اور کاریگروں کو اوور ٹائم بھی کرنا پڑتا تھا۔(۲۰)

افسانے کے مرکزی کردار جو ہی جس کے بھائی کو قتل کیس میں جیل کی سزا ہوتی ہے تو وہ قانون کے محافظوں کے ہاتھوں عصمت دری کا شکار ہوتی ہے۔

افسانہ ''مردہ گھر'' میں اطالوی جنگی قیدی مارٹینو کی داستان کو بیان کیا گیا ہے۔ جو اپنے جیسے دو ہزار سے زائد قیدیوں کے ساتھ کیمپ میں رہتا ہے جہاں ان قیدیوں سے بہت سے تعمیری کام لیے جاتے ہیں:

مارٹینو خاموش کھڑا گہری نظری سے قیدیوں کو دیکھتا رہا اور سوچتا رہا کہ

یہ کیمپ ایک وسیع پاگل خانہ ہے۔(۲۱)

مارٹینو کیمپ سے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے مگر شدید زخمی ہو کر ہسپتال پہنچا دیا جاتا ہے۔ جہاں اس کو انتہائی نگہداشت میں رکھا جاتا ہے مارٹینو ہسپتال میں ایک نرس مارتھا کی طرف متوجہ ہوتا ہے لیکن اس کے ٹھکرانے پر اپنی جان کی بازی ہار جاتا ہے۔اور ڈاکٹر اس کی موت کا ذمہ دار مارتھا کی لاپروائی کو گردانتا ہے:

مارٹینو کے کمرے کے باہر ڈاکٹر خاموش کھڑا اس (مارتھا) کا انتظار کر رہا تھا......'قیدی مر گیا۔(۲۲)

اسی طرح افسانہ''پاگل خانہ'' میں شوکت صدیقی نے دوسری جنگِ عظیم کے دوران رونما ہونے والے واقعات کو بیان کیا ہے۔حبیب کا گھر پیرس میں تھا، ماں فرانسیسی اور باپ آئرش تھا۔ وہ جنگ کی تباہی کی وجہ سے اپنا سب کچھ لٹ لٹا کر فرانس میں آ کر آباد ہو گیا۔اور اپنے دوست کو اپنے غم کی داستان سناتا ہے:

نازیوں نے سب کو قتل کر دیا۔ میری بوڑھی ماں کو۔ جوان بہنوں کو میری بیوی اور میرے دونوں معصوم بچوں کو بھی۔(۲۳)

شوکت صدیقی نے افسانے میں آنند پربت میں موجود فوجیوں کے ایک بڑے وائرلیس اسٹیشن میں موجود فوجیوں کی سرگرمیوں اور عیاشیوں کو بھی موضوع بنایا ہے۔ جنگ کے دنوں میں فوجی آنند پربت میں وائرلیس اسٹیشن اور کیمپوں میں رہائش پذیر تھے کیونکہ:''یہاں فوجی رہتے ہیں یہ جنگ کا زمانہ ہے۔''(۲۴)

شوکت صدیقی نے فوجیوں کے مشغلوں، زیادتیوں اور ہنگاموں کی تصویر کشی نہایت عمدگی سے کی ہے۔ افسانہ ''اندھیرا اور اندھیرا'' میں شوکت صدیقی نے قیام پاکستان سے پہلے اور بعد کے مسائل و مشکلات کو موضوع بنایا ہے۔جن میں بے روزگاری، ہجرت، مہاجرین کے مسائل، مہاجر کیمپوں کے ہنگامے اور غربت و افلاس وغیرہ شامل ہیں۔ ہندوستان میں جب اسرار کو ملازمت سے برطرف کیا گیا تو اس کے مالی و گھریلو حالات آہستہ آہستہ خراب ہوتے گئے اور نوبت فاقوں تک پہنچ گئی ان حالات میں اسرار بالکل مایوس ہو گیا تھا لیکن تقسیم ہند کی وجہ سے اسے اپنے دکھوں اور مشکلوں کا مداوا پاکستان میں ہوتا نظر آتا ہے۔

ساڑھے نو ماہ کی مسلسل بے روزگاری نے اسے ہر چیز سے متنفر اور بے زار کر دیا تھا۔ ہندوستان میں بسنے والے ہر پریشان حال مسلمان کی طرح اس کی نظریں بھی پاکستان کی طرف اٹھ گئیں۔(۲۵)

اسرار شاندار مستقبل کا خواب لے کر پاکستان آتا ہے اور جب مہاجر بن کر سندھی مسلمانوں کی پناہ میں آیا تو اس کا قیام مہاجر کیمپ میں تھا جہاں ہر طرف چیخ و پکار اور ہنگامہ برپا رہتا۔لیکن یہاں اسرار چار روز قیام کے بعد کراچی پہنچ گیا۔ جہاں روزگار کی تلاش میں اس نے کافی ہاتھ پاؤں مارے لیکن اسے کامیابی نہ ملی۔ایک جگہ کچھ دنوں کے لیے عارضی ملازمت ملی تو ایک دن واپسی پر اچانک اپنی ماں اور بھائی جو کہ بھیک مانگ رہے تھے ان سے ملاقات ہو گئی۔ جو قائد آباد میں مہاجروں کی بستی میں رہتے ہیں۔اسرار بھی اپنا سامان سمیٹ کر ان کے پاس رہنے لگا۔اس بستی میں ایسے علاقوں کے لوگ بھی شامل تھے جہاں فرقہ ورانہ فسادات نہیں ہوئے تھے اور وہ فسادات کے خوف یا پھر تلاشِ معاش کے لیے اپنے گھر چھوڑ کر آئے تھے۔

شوکت صدیقی کے افسانوں نے پڑھنے والوں کو پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد سر اٹھاتے مسئلوں کی طرف متوجہ کیا۔ کہ نیا ملک نئے وسائل لے کر آتا ہے۔ معاشی اور سیاسی نظام کی از سرِ نو تشکیل، آباد کاری کے مسائل کو حل کرنا، لوگوں کے اندر نئے ملک کو ترقی دینے کا جوش و جذبہ پیدا کرنا وغیرہ کے علاوہ دوسرے بہت سے مسائل اور مشکلات پاکستان کے سامنے تھیں۔

شوکت صدیقی کے افسانوی مجموعہ ''کیمیا گر'' (۱۹۸۴ء) میں بھی مشمولہ افسانوں ''ڈھپالی''، ''خفیہ ہاتھ''، ''کیمیا گر'' اور ''خداداد کالونی'' میں سیاسی شعور، استحصالیت، حقیقت نگاری اور پاکستان کے جرائم پیشہ افراد کی داستان، طبقاتی اونچ نیچ اور سرمایہ درانہ نظام کی تمام پرتیں کھل کر سامنے آتی ہیں۔

افسانہ ''ڈھپالی'' میں شوکت صدیقی نے ایک ڈھپالی استاد شیدی سارنگی نواز کی کہانی بیان کرنے کے ساتھ ساتھ فسادات، ہجرت اور نئے ملک میں ابھرنے والے مسائل بے روزگاری، رشوت، سفارش، وغیرہ کا اظہار کیا ہے:

فرقہ ورانہ فسادات کا خطرہ ہر وقت سر پر منڈلاتا رہتا۔ آئے دن طرح طرح کی وحشت ناک افوائیں سننے میں آتیں۔ مسلمان کچھ تو فسادات کے ڈر سے اور کچھ معاشی پریشانیوں کے باعث دھڑا دھڑ پاکستان جا رہے تھے۔ ۲۶

ان حالات میں استاد شیدی بھی پاکستان کی طرف ہجرت کرتا ہے۔ لیکن یہاں پہنچ کر روزگار تلاش کرنا نہ صرف اس کے لیے ایک بہت بڑا مسئلہ تھا بل کہ اس بڑے مسئلے سے ہر دوسرا شخص دو چار تھا اور آئے دن بے روزگاری میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا:

قیام پاکستان کو چند ہی برس گزرے تھے۔ روزگار کے مواقع بہت کم تھے اور ہندوستان سے ہجرت کرنے والے پریشان حال مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ ہنوز جاری تھا۔ لہٰذا بے روزگاری کی تعداد کم ہونے کے بجائے بڑھتی جا رہی تھی۔ ۲۷

استاد شیدی کو اپنے زور بازو پر بڑی تگ و دو کرنے کے باوجود بھی روزگار نہیں ملتا تو وہ سفارش کے ہتھکنڈے کو بھی آزماتا ہے۔ کیوں کہ وہ جان جاتا ہے کہ: ''بغیر سفارش کے یہاں کوئی گھاس نہیں ڈالتا۔'' ۲۸

استاد شیدی نے غربت و افلاس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ایک روز اپنی سارنگی کو فروخت کر کے ایک ٹینری میں بطور مزدور کام شروع کر دیا۔ کیونکہ اس کے بغیر اب اس کے پاس کوئی چارہ نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ:

استاد شیدی سال ہا سال تک فنِ موسیقی کے اسرار و رموز سیکھتے سکھاتے رہے۔ اب وہ زندگی کے اسرار و رموز بھی سیکھ گئے تھے۔ ۲۹

ڈاکٹر انوار احمد استاد شیدی کے کردار کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ایک ڈھپالی سارنگی نواز جو تیموری پرنس کے طور پر متعارف ہونا چاہتا تھا، ہجرت اور اپنی عادت کے طفیل فاقوں کے دلدل میں گھر کر ایک ٹینری میں مزدور کے طور پر کام کر کے یادگار افسانوی کردار ہو جاتا ہے۔ ۳۰

افسانہ ''خفیہ ہاتھ'' میں جاگیردار سیاستدانوں کے منافقانہ رویوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ ساتھ ہی یہاں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی ستم ظریفیوں، استحصال اور ان کی سیاسی بصیرت کے ساتھ ساتھ قومی مسائل کی عکاسی کی ہے۔ دادا محمد سومرو جو ایک سندھی وڈیرا ہے۔ وزیروں اور اعلیٰ احکام سے ہمیشہ خوش گوار تعلقات رکھتا ہے۔ یورپ اور امریکہ کے دورے کرنا، سیاست لڑانا اس کا محبوب مشغلہ ہے۔ دادا محمد سومرو کا شمار ان جاگیرداروں میں ہوتا ہے:

جو اپنی روزی کے لیے خود محنت نہیں کرتے بل کہ دوسروں کی محنت پر رانڈ کے سانڈ کی طرح پلتے ہیں اور جن کے پیٹ میں ملک وقوم کا درد اکثر موقع اور بے موقع مروڑ بن کر اٹھتا رہتا ہے۔۳۱

اس افسانے میں شوکت صدیقی نے ایک بلیک میل کرنے والے صحافی علیم الدین کا کردار بھی خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔علیم الدین اخبار ''ندائے وطن'' کا ایڈیٹر ہے۔علیم الدین کا واسطہ آئے دن دادا سومرو جیسے جاگیردار سیاست دانوں سے پڑتا رہتا ہے۔ وہ ہمیشہ ان کی ٹوہ میں رہتا ہے۔ اپنے اخبار کے ذریعے ان کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتا ہے اور ان کو بلیک میل کرنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔شوکت صدیقی نے اس افسانے میں جاگیرداروں اور زمینداری نظام پر طنز کے ساتھ ہی یہاں پر سیاستدانوں کے کردار کی قلعی بھی کھولی ہے:

اب میں غیر ملکی دورہ کرنے کے بعد واپس آ گیا ہوں اور الیکشن لڑنے کا کام شروع کر دیا ہے۔ گورنر سے صدر مملکت تک سب میری شکارگاہ میں ہر سال کھیلنے آتے ہیں۔

عوام! وہ تو سائیں ایک دم الو کے پٹھے ہوتے ہیں۔ ان کو تو خواہ مخواہ ووٹر بنا دیا۔ بھلا ان کا حکومت سے کیا ناتا۔

جمہوریت وموریت سب فراڈ ہے...... یہ تو عوام کو بے وقوف بنانے کا چکر ہے۔۳۲

وڈیرا محمد سومرو علیم الدین کو بھاری رشوت دیتا ہے تاکہ وہ الیکشن کے نزدیک اس کے خلاف زبردست پروپیگنڈا کر کے اپنے اخبار میں شائع کروا کے ہر طرف اس کی دھوم مچوا دے اور ہر طرف اسی کے نام کے گُن گائے جائیں۔ نہ صرف یہ بل کہ وہ الیکشن کے دوران دوسرے کئی اور ذرائع سے بھی اپنے آپ کو مشہور سیاستدانوں کی لسٹ میں شمار کرواتا ہے۔ کیوں کہ بقول اس کے: ''میں ملک اور قوم کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔''۳۳

افسانہ ''کیمیا گر'' غربت و افلاس اور جاگیردار طبقے کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس میں ملک کی سیاسی صورت حال پر بھی قلم اٹھایا گیا ہے:

ملک میں مارشل لاء لگ گیا ہے۔ جنرل ایوب خان چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بن گئے تھے۔ شہر میں ہر طرف فوج گشت کرتی نظر آتی تھی۔ جگہ جگہ فوجی عدالتیں قائم تھیں۔ آئے دن نت نئے آرڈی نینس اور مارشل لاء کے ضابطے نافذ کیے جاتے۔ چوری چکاری، منافع خوری، چور بازاری، ذخیرہ اندوزی، رشوت خوری غرض کہ ہر طرف کی دھوکا دھڑی اور بدعنوانی کے لیے سخت سے سخت سزائیں دی جاتیں۔۳۴

افسانہ ''کیمیا گر'' میں ایک نچلے متوسط طبقے کی کہانی بھی بیان کی گئی ہے۔ جو مکان کی تلاش اور پھر بچی کے

علاج اور اس کے کفن دفن کے لیے جس رقم اور وسیلے سے کام چلاتا ہے، اسے ماضی قریب تک حرام گردانتا تھا لیکن اب زندگی کی تلخیوں اور محرومیوں نے اسے نسخۂ کیمیا کی اس معنویت سے آگاہی دلائی ہے کہ ضمیر کو سُلانے کے بعد ہی بنیادی ضرورتیں پوری ہوسکتی ہیں اور یوں احمد ہر مہینے اپنی چمکتی گاڑی میں آخر اس کو پیسے دے جاتا ہے اسی لیے وہ کہہ اٹھتا ہے کہ:

اس کی کیمیا گری نے میرے دن پھیر دیئے ہیں۔ اچھا کھاتا ہوں، اچھا پہنتا ہوں، عزت بھی ہے، خوشحالی بھی ہے، غرضکہ بڑے آرام سے گزر بسر ہوتی ہے۔ غربت و افلاس کے بادل چھٹ چکے ہیں۔ ۳۵

افسانہ ''کیمیاگر'' شوکت صدیقی کے طنز اور ستم ظریفی سے لبریز افسانہ ہے۔ ڈاکٹر حنیف فوق اس حوالے سے لکھتے ہیں: '''کیمیاگر' میں مادی احتیاج اور اخلاقی زوال کی مرقع کشی میں طنزیہ سفا کی ملتی ہے۔'' ۳۶

افسانہ ''خداداد کالونی'' ایک بیانیہ کہانی ہے۔ جس میں قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کے مسائل، بڑھتی ہوئی بھوک و بے روزگاری، ناانصافی، رشوت سفارش، دھوکہ بازوں اور چال بازوں کی کارستانیوں کو بیان کیا ہے تو ساتھ ہی یہاں پر سیاسی و معاشرتی اور سماجی گھٹن و مسائل کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔

خداداد کالونی میں ایک ہندو سیٹھ کی کوٹھی جو متروکہ جائیداد قرار دی جا چکی تھی۔ میں مہاجرین نے اپنی بستی بسالی انہی مہاجرین میں افسانے کا اہم کردار ٹینی بھی رہتا ہے اور غازی اور بالم بھی اس کے ساتھ رہنے لگے جو چوری کیے ہوئے پیسوں سے کوئی کاروبار شروع کرنے کا سوچتے ہیں۔ تو ہر ایک اپنا اپنا مشورہ دیتا ہے۔ لیکن بقول غازی:

ابے یہاں ایک سے ایک بڑا دھاکڑ مکرانی پڑا ہے۔ سالے ان کی دادا گیری کے سامنے تمہاری کیا دال گلے گی۔ پھر پولیس کے ڈنڈے الگ کھاؤ گے۔ ۳۷

اسی دوران حاجی کریم نے اس بنگلے کو جہاں مہاجر آباد تھے جعلی کلیم کے ذریعے اپنے نام پر الاٹ کرواتا ہے، اس کے لیے اس کو جو تگ و دو کرنی پڑی اس کے بارے میں وہ یوں گویا ہے کہ:

آج کل کے زمانے میں الاٹمنٹ حاصل کرنا تم نے ہنسی ٹھٹا سمجھ رکھا ہے ہر شخص تو بغل میں کلیم کا بستہ دبائے الاٹمنٹ کے لیے مارا مارا پھر رہا ہے...... پندرہ ہزار تو صرف الاٹمنٹ آرڈر نکلوانے کے لیے رشوت دی ہے۔ ۳۸

مہاجرین کو بنگلہ خالی کرنے کا حکم دینے کے بعد سرکاری محکمہ اس بستی کو قانونی طور پر اجاڑ دیتا ہے۔ اس افسانے کا اہم کردار ٹینی غیر صحت مندی کی علامت بن کر ہمارے سامنے آتا ہے۔ وہ ان تمام کمزوریوں، برائیوں اور مجرمانہ حرکتوں کو نظر انداز کرتا ہے۔ جو معاشرتی ناانصافیوں کی وجہ سے نچلے طبقے میں پیدا ہوتی ہیں اور آخر میں کوٹھی کے مکینوں کو قتل کر کے خود کو پولیس کے حوالے کر دیتا ہے۔

اس افسانے کے حوالے سے ڈاکٹر فردوس انور قاضی لکھتی ہیں: ''شوکت صدیقی کا نقطہ نظر ترقی پسندانہ ہے اور کوٹھی کے مکینوں کا قتل دراصل جاگیرداری نظام کا قتل ہے۔'' ۳۹

افسانہ ''خداداد کالونی'' کے مطالعہ کے بعد یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا یوں جاگیرداری اور سرمایہ داری نظام کے

خاتمے پر انسانی زندگی کا کرب مٹ جائے گا۔

شوکت صدیقی نے اپنے افسانوں میں اودھ کی فیوڈل سوسائٹی کو ایک نئے رنگ میں پیش کیا ہے اور غریبوں و امیروں دونوں طبقوں کی ذہنی، معاشی و سیاسی پریشانیوں، مسائل اور الجھنوں کا ذکر بڑے فنکارانہ طور پر کیا ہے۔ ان کے یہاں تجربات و مشاہدات میں بہت وسعت ہے۔ شوکت صدیقی کی سوچ میں شدت اور گہرائی ہے اور ان کے افسانوں میں کردار ظالم اور مظلوم کے درمیان کش مکش، استحصال اور تصادم پیش کرتے ہیں۔ بقول وقار عظیم:

''شوکت صدیقی کی اکثر کہانیاں ایک انسان کے ظلم اور دوسرے کی مظلومی اور ستم رسیدگی کی کہانیاں ہیں۔''۴۰

شوکت صدیقی بنی نوع انسان سے عدل و انصاف اور آزادی کا تقاضا کرتا ہے وہ نااہل حکمران طبقے کو حقِ حکمرانی نہیں دینا چاہتا بل کہ ہر فرد کے لیے انصاف چاہتا ہے۔ شوکت صدیقی نے اپنی تحریروں میں سرمایہ درانہ نظام کی سفاکیت اور لوٹ کھسوٹ سے پردہ اٹھایا ہے کہ وہ کس طریقے سے محنت کش اور مزدور کا حق مارتے ہیں۔ غریب و بے بس لوگ محرومیوں اور افلاس کے اندھیروں میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ وڈیرے مزارعوں کو زر خرید غلام سمجھتے ہیں اور اس طبقے کی عورتوں کا سماج میں کوئی بھی مقام و مرتبہ نہیں ہے۔ غرض شوکت صدیقی نے اپنے افسانوں اور ناولوں میں معاشی، سیاسی اور سماجی مسائل کی بے رحم عکاسی کی ہے اور ان کے کئی افسانے زندگی کی ستم ظریفیوں کی عکاسی کرتے ہیں۔

شوکت صدیقی کے افسانوں میں ترقی پسند ذہن کام کرتا دکھائی دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا اسلوب صاف اور پلاٹ واضح ہوتا ہے۔ بقول ڈاکٹر حنیف فوق:

ان کا افسانہ ماجرائے افسانہ کی روایت سے منسلک ابتدا، وسط اور اختتام کی منزلوں سے گزرتا ہوا ایک تراشیدہ صورت میں ڈھل جاتا ہے۔۴۱

شوکت صدیقی کے افسانوں میں کردار کا غیر متوقع عمل اور سامنے آنے والی صورتِ حال انسانی اختیار و بے اختیاری کی ایک نئی سمت کا ادراک ہے۔ جس کو شوکت صدیقی کے تصور افسانہ نگاری کا فنی نکتہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ ان کے کرداروں میں کچلے ہوئے لوگ، چور، ڈاکو، مزدور اور کسانوں کے ساتھ ہی متوسط اور اونچی سوسائٹی کے لوگ ٹھیکے دار، زمین دار اور سرمایہ دار و جاگیردار طبقہ سب شامل ہیں۔ شوکت صدیقی کے افسانوں کے ذریعے معاشرے کی الجھی ہوئی ڈوریاں ہاتھ لگتی ہیں تو ساتھ ہی طبقاتی تضاد، غربت، مجبوریوں اور سیاسی و قانونی بندھن کی تمام پرتیں کھل کر سامنے آتی ہیں۔

شوکت صدیقی کے ہاں افسانہ نگاری کی قوت واضح نظر آتی ہے۔ وہ کہانی بنانے اور اسے آگے بڑھا کر اختتام تک پہنچانے کا ڈھنگ خوب جانتے ہیں۔ مجتبیٰ حسین ان کی افسانہ نگاری کے حوالے سے کہتے ہیں:

ان کے افسانوں میں خود کو پڑھوانے 'Readablity' کی صلاحیت ہے۔ ان کے افسانوں میں محض بیانیہ رنگ نہیں پایا جاتا۔ ان میں پلاٹ کا ارتقاء ملتا ہے۔ واقعات صرف ایک متعینہ مدت سے آگے نہیں بڑھتے وہ مختلف موڑ پر آکر تھم جاتے ہیں۔ غیر متوقع طور پر پلٹ جاتے ہیں اور پڑھنے والا انتظار اور اضطراب کی گھڑیوں سے گزرتا

رہتا ہے۔ ان کے افسانوں میں حادثات کی کارروائی بھی ملتی ہے وہ یکا یک رونما ہوکر مختلف کرداروں کے رویے پر اثرانداز ہوتے ہیں۔۴۲

شوکت صدیقی کے افسانوں کا اہم رجحان اشتراکیت ہے۔ ان کے افسانوں میں معاشرے کی برائیوں اور ان سے نمو پانے والے انسانی دکھوں اور جرائم کی داستان کے باوجود تلخی نظر نہیں آتی۔ شوکت صدیقی کے افسانوں کا نمایاں وصف انسانیت اور ہمدردی کا جذبہ ہے۔ شوکت صدیقی نے حقیقت نگاری کے راستے پر آگے بڑھتے ہوئے اپنے فنی تصورات سے روشنی پاکر اردو افسانہ نگاری کی سرحدوں کو آگے بڑھایا ہے۔

حوالہ جات:

(۱) حنیف فوق، ڈاکٹر ''کیمیا گر'' مشمولہ ماہنامہ **سیپ**، شمارہ ۵۱، کراچی ۱۹۷۵ء، ص:۲۳۰

(۲) ممتاز احمد خان، ڈاکٹر **آزادی کے بعد اردو ناول: ہیئت، اسالیب اور رجحانات**، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۹۷ء، ص:۱۱۰

(۳) انوار احمد، ڈاکٹر، **اردو افسانہ: ایک صدی کا قصہ**، مثال پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۱۰ء، ص:۴۳۱

(۴) اے خیام ''اردو افسانہ۔ موجودہ صورت حال'' مشمولہ سہ ماہی **روشنائی**، افسانہ صدی نمبر جلد ۷، شمارہ ۲۷، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۶ء، ص:۱۲۱

(۵) شوکت صدیقی ''یہ بیمار'' مشمولہ **تیسرا آدمی**، کتاب پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۵۲ء، ص:۹۶

(۶) ایضاً، ص:۱۰۲

(۷) شوکت صدیقی ''تانیتا'' مشمولہ **تیسرا آدمی**، ایضاً، ص:۹۰

(۸) ایضاً، ص:۹۳

(۹) ایضاً، ص:۹۴

(۱۰) شوکت صدیقی ''غم دل اگر نہ ہوتا'' مشمولہ **تیسرا آدمی**، ایضاً، ص:۱۱۱

(۱۱) ایضاً، ص:۱۱۷

(۱۲) ایضاً، ص:۱۱۷

(۱۳) ایضاً، ص:۱۳۰

(۱۴) ایضاً، ص:۱۳۱

(۱۵) شوکت صدیقی ''الاؤ کے پاس'' مشمولہ **تیسرا آدمی**، ایضاً، ص:۲۹

(۱۶) شوکت صدیقی ''جھیلوں کی سرزمین پر'' مشمولہ **تیسرا آدمی**، ایضاً، ص:۱۳۳

(۱۷) شوکت صدیقی ''تیسرا آدمی'' مشمولہ **تیسرا آدمی**، ایضاً، ص:۱۳۸

(۱۸) ایضاً، ص:۱۳۹

(۱۹) ایضاً، ص:۱۶۴

(۲۰) شوکت صدیقی ''تاریک دن'' مشمولہ **اندھیرا اور اندھیرا**، کتاب پبلی کیشنز کراچی، ۱۹۵۵ء، ص:۱۳
(۲۱) شوکت صدیقی ''مردہ گھر'' مشمولہ **اندھیرا اور اندھیرا**، ایضاً، ص:۷۰
(۲۲) ایضاً، ص:۸۳
(۲۳) شوکت صدیقی ''پاگل خانہ'' مشمولہ **اندھیرا او ر اندھیرا**، ایضاً، ص:۱۳۶
(۲۴) ایضاً، ص:۱۳۷
(۲۵) شوکت صدیقی ''اندھیرا اور اندھیرا'' مشمولہ **اندھیرا اور اندھیرا**، ایضاً، ص:۱۵۷
(۲۶) شوکت صدیقی ''ڈھپالی'' مشمولہ **کیمیا گر**، کتاب پبلی کیشنز، کراچی، ۱۹۸۴ء، ص:۲۰
(۲۷) ایضاً، ص:۲۴
(۲۸) ایضاً، ص:۲۱
(۲۹) ایضاً، ص:۲۶
(۳۰) انوار احمد، ڈاکٹر **شوکت صدیقی: شخصیت اور فن**، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، ص:۲۸
(۳۱) شوکت صدیقی ''خفیہ ہاتھ'' مشمولہ **کیمیا گر**، ایضاً، ص:۳۱
(۳۲) ایضاً، ص:۴۹
(۳۳) ایضاً، ص:۶۳
(۳۴) شوکت صدیقی ''کیمیا گر'' مشمولہ **کیمیا گر**، ایضاً، ص:۹۵
(۳۵) ایضاً، ص:۱۰۴
(۳۶) حنیف فوق، ڈاکٹر، ''کیمیا گر'' مشمولہ ماہنامہ **سیپ**، ایضاً، ص:۲۳۱
(۳۷) شوکت صدیقی ''خداداد کالونی'' مشمولہ **کیمیا گر**، ایضاً، ص:۱۲۳
(۳۸) ایضاً، ص:۱۳۲
(۳۹) فردوس انور قاضی، ڈاکٹر **اردو افسانہ نگاری کے رجحانات**، مکتبہ عالیہ لاہور، ۱۹۹۰ء، ص:۵۰۱
(۴۰) وقار عظیم، پروفیسر، **داستان سے افسانے تک**، اردو اکیڈمی، کراچی، ۱۹۹۰ء، ص:۳۶۳
(۴۱) حنیف فوق، ڈاکٹر، **کیمیا گر**، ایضاً، ص:۲۲۹
(۴۲) مجتبیٰ حسین ''چوذوق نغمہ کمیانی'' مشمولہ **افکار**، افسانہ نمبر لاہور ۱۹۵۳ء، ص: ۲۲۶